آفاقِ تحقیق

جلد05شمارہ02(2024)

https://aafaq-e-adab.com

برصغیر میں مسلم تعلیمی تحریکات:ایک تاریخی تجزیہ

Muslim Educational Movements in British India: A Historical Perspective

Dr. Nafeesa Sultana
Department of History, University of the Punjab, Lahore, Pakistan
Email: *nafeesa.sultana@pu.edu.pk*

Abstract:

This paper explores the evolution of Muslim educational movements in British India, focusing on their socio-political and cultural impact from the 18th to the 20th century. From the reformist vision of Shah Waliullah to the modernist efforts of Sir Syed Ahmed Khan and the establishment of institutions like Aligarh, Nadwatul Ulama, and Deoband, this study offers a comprehensive historical analysis of how education became a tool for Muslim identity and revival.

Keywords: *Muslim education, British India, Aligarh movement, Islamic reform*

تعارف

برصغیر میں مسلم تعلیمی تحریکات کا آغاز ایک ایسے وقت میں ہوا جب مسلمانوں کو سیاسی، معاشی اور تہذیبی زوال کا سامنا تھا۔1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کو تعلیمی میدان میں پسماندگی کا احساس شدت سے ہوا، جس کے نتیجے میں کئی اصلاحی و تعلیمی تحریکات سامنے آئیں۔ان تحریکات کا مقصد نہ صرف تعلیمی بیداری پیدا کرنا تھا بلکہ مسلمانوں کی جداگانہ شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کی نئی راہیں متعین کرنا بھی تھا۔اس تناظر میں سرسید احمد خان، شاہ ولی اللہ دہلوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، اور مولانا شبلی نعمانی جیسے مفکرین نے اہم کردار ادا کیا۔یہ مضمون ان تحریکات کے تاریخی پس منظر، فکری بنیادوں، اور عملی اثرات کا تجزیہ پیش کرتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کی تعلیمی فکر اور اثرات

قرآن فہمی، اجتہاد، اور دینی و دنیاوی علوم کی جامعیت

شاہ ولی اللہ دہلوی (1703–1762) برصغیر کے ان نامور مفکرین اور مصلحین میں سے ہیں جنہوں نے نہ صرف اسلامی فکر کی تجدید کی بلکہ تعلیم کے ذریعے فکری و روحانی اصلاح کی بنیاد بھی فراہم کی۔ ان کی تعلیمی فکر کا مرکز "جامعیت" ہے، جہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیوی شعور، عملیت اور اجتہاد کو اہم مقام حاصل ہے۔

قرآن فہمی

شاہ ولی اللہ کی فکر میں قرآن فہمی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اسلام کی حقیقی روح کو سمجھنے کے لیے قرآن کے مفاہیم کو عام فہم زبان میں پیش کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے انہوں نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا تاکہ غیر عرب مسلمانوں کو بھی قرآن کی تعلیمات سمجھنے میں آسانی ہو۔ ان کا مقصد تعلیم کو خواص سے نکال کر عوام تک پہنچانا تھا۔

اجتہاد کا فروغ

شاہ ولی اللہ نے تقلیدی جمود کے خلاف اجتہاد کی راہ ہموار کی۔ ان کے نزدیک زمانے کے تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل درآمد ضروری ہے۔ انہوں نے اجتہادی فکر کے فروغ کے لیے اصولِ فقہ، حدیث، اور اسلامی فلسفہ کو یکجا کیا۔ ان کی کتاب "حجت اللہ البالغہ" اسی اجتہادی شعور کی عکاس ہے۔

دینی و دنیاوی علوم کی جامعیت

شاہ ولی اللہ دہلوی نے علم کے اسلامی تصور کو وسعت دی اور تعلیم کو دین و دنیا کی تفریق سے بالاتر کر کے ایک وحدت میں دیکھا۔ ان کا کہنا تھا کہ معاشی، سیاسی، اور سماجی امور کو دینی تعلیم کا حصہ بنایا جائے تاکہ ایک متوازن فرد اور سماج وجود میں آئے۔ ان کے نظامِ تعلیم میں منطق، فلسفہ، تاریخ، اور سیاسیات کو بھی شامل کیا گیا۔

اثرات

ان کی تعلیمی فکر نے نہ صرف ان کے بعد کے مصلحین جیسے سر سید احمد خان، مولانا قاسم نانوتوی، اور شبلی نعمانی کو متاثر کیا بلکہ برصغیر کی مسلم تعلیمی تحریکات میں بھی ان کے افکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کی فکر نے مسلمانوں میں علمی اعتماد پیدا کیا اور زوال کے دور میں امید کی شمع روشن کی۔

سر سید احمد خان اور علی گڑھ تحریک
جدید تعلیم، سائنسی شعور، اور مغربی علوم کی پذیرائی

سر سید احمد خان (1817–1898) برصغیر کی مسلم تعلیمی بیداری کے علمبردار ہیں۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد جب مسلمان سیاسی، سماجی اور تعلیمی میدان میں زوال کا شکار تھے، سر سید نے انہیں نئے دور کے تقاضوں کے مطابق تعلیم یافتہ بنانے کے لیے علی گڑھ تحریک کی بنیاد رکھی۔

جدید تعلیم کا فروغ

سر سید نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ جدید تعلیم، بالخصوص سائنسی اور سوشیالوجیکل تعلیم، ہی انہیں دوبارہ معاشرتی قوت بنا سکتی ہے۔ ان کے نزدیک پرانے مدرسہ نظام میں صرف مذہبی تعلیم دی جاتی تھی جو دورِ جدید کے مسائل کا حل فراہم نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جدید نصاب کے ساتھ "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج" (اب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) قائم کیا۔

سائنسی شعور کی ترویج

سر سید سائنس کو ترقی کا زینہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو سائنس اور تحقیق سے گریز کی وجہ سے زوال کا سامنا ہے۔ انہوں نے مغرب کی ترقی کا راز ان کے سائنسی مزاج میں دیکھا۔ ان کی تحریریں، بالخصوص "تہذیب الاخلاق"، میں سائنسی فکر اور تجرباتی علم کی وکالت کی گئی ہے۔

مغربی علوم کی پذیرائی

سر سید نے مغربی فلسفہ، سوشیالوجی، معاشیات، اور سیاسیات کو مسلمانوں کے تعلیمی نظام میں شامل کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ماننا تھا کہ مسلمانوں کو نہ صرف مغربی تعلیم حاصل کرنی چاہیے بلکہ مغربی افکار کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے ان سے استفادہ بھی کرنا چاہیے۔ ان کا مشہور قول ہے:
"قرآن ایک نور ہے، جو ہر علم کو روشن کرتا ہے۔"

مذہبی اعتدال

سر سید نے مذہب کو عقل کے تابع سمجھا اور اجتہاد کی حمایت کی۔ وہ تقلید کے قائل نہیں تھے اور قرآن کو اولین ماخذ سمجھتے تھے۔ ان کی دینی تعبیرات جدید ذہن کے لیے قابلِ فہم تھیں، جس کی وجہ سے انہیں تنقید کا سامنا بھی رہا۔

اثرات

علی گڑھ تحریک نے ایک پوری نسل کو تعلیمی میدان میں فعال بنایا۔ اس تحریک نے نہ صرف مسلم متوسط طبقہ پیدا کیا بلکہ صحافت، عدلیہ، بیوروکریسی، اور سیاست میں مسلمانوں کو جگہ دی۔ یہی تحریک آگے چل کر مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کی فکری بنیاد بنی۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اور مذہبی تعلیم کا فروغ

تقلید، اجتہاد، اور دین کی اصل روح کی بازیافت

برصغیر میں 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں پر سیاسی، معاشی اور تعلیمی زوال کا سایہ چھا گیا۔ انگریزوں کی جارحیت نے اسلامی تہذیب اور تعلیمات کو کمزور کر دیا۔ ایسے وقت میں علماء نے دین کے تحفظ اور مذہبی تعلیم کے فروغ کے لیے نئے ادارے قائم کیے، جن میں **دارالعلوم دیوبند** (1866ء) ایک عظیم سنگِ میل ہے۔ اس ادارے نے نہ صرف دینی علوم کو محفوظ رکھا بلکہ مسلمانوں کی مذہبی شناخت کی بقا کی جدوجہد بھی کی۔

بنیاد

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اور ان کے رفقاء نے رکھی۔ ان کا مقصد مغربی نظام تعلیم کی یلغار کے مقابلے میں اسلامی علوم کو تحفظ دینا تھا۔ یہ مدرسہ روایت پرستی، روحانیت، اور اجتہادی فکر کا امتزاج تھا۔

تقلید

دیوبندی مکتبہ فکر حنفی فقہ پر مکمل عمل درآمد کا قائل ہے۔ تقلید کو دینی استحکام اور وحدت کا ذریعہ سمجھا گیا۔ اس کا مقصد عوام کو فتنے، انتشار اور غلط تعبیرات سے محفوظ رکھنا تھا۔ دارالعلوم دیوبند نے طلبہ کو فقہ، تفسیر، حدیث، اور عربی زبان میں مہارت عطا کی تاکہ وہ دین کے محافظ بن سکیں۔

اجتہاد

اگرچہ دیوبندیت تقلید کی بنیاد پر قائم ہے، مگر اس میں اجتہادی گنجائش بھی موجود ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمود حسن نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جدید سوالات کے اسلامی جوابات فراہم کیے۔ فتووں کی شکل میں اجتہادی بصیرت کو فروغ دیا گیا۔

دین کی اصل روح

دیوبند نے خالص مذہبی علوم کو زندہ رکھا۔ سادگی، زہد، تقویٰ، اور سنت کی پیروی کو نظامِ تعلیم میں شامل کیا گیا۔ دین کی اصل روح، یعنی عمل، اخلاق اور اخلاص کو مرکزی حیثیت دی گئی۔ طلبہ کی روحانی تربیت، ان کی شخصی تشکیل کا اہم پہلو تھا۔

اثرات

دیوبند کی تعلیمی فکر نے برصغیر، مشرق وسطیٰ، افریقہ، اور مغربی ممالک میں مدارس کے ایک عظیم نیٹ ورک کو جنم دیا۔ آج بھی دنیا بھر میں ہزاروں مدارس اس فکر کے نمائندے ہیں۔ یہ ادارہ مذہبی بیداری، اسلامی تشخص اور تعلیمی خودمختاری کا ایک مظہر ہے۔

ندوۃ العلماء کی کوششیں اور تعلیم میں اعتدال

جدید و قدیم کا امتزاج، عربی زبان اور بین الاقوامی روابط

ندوۃ العلماء کا قیام 1893ء میں لکھنؤ میں عمل میں آیا، جس کا مقصد مسلمانوں کو ایسا نظامِ تعلیم دینا تھا جو ایک طرف قدیم دینی علوم سے جڑا ہو اور دوسری طرف جدید دنیاوی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ اس ادارے کی بنیاد مولانا شبلی نعمانی، مولانا سید محمد علی مونگیری، اور دیگر علماء نے رکھی۔

اعتدال کا تصور

ندوۃ العلماء کا نصب العین "اعتدال" تھا۔ جہاں دیوبند تقلید پر زور دیتا تھا، اور علی گڑھ مغربی علوم پر، وہاں ندوہ نے ایک اعتدال پسند راستہ اپنایا۔ اس نے فقہ، تفسیر، اور حدیث کے ساتھ ساتھ تاریخ، فلسفہ، منطق، اور جدید سوشل سائنسز کو بھی جگہ دی۔ یہ پہلا دینی ادارہ تھا جس نے انگریزی تعلیم کو مکمل رد نہیں کیا بلکہ اس کے افادی پہلوؤں کو تسلیم کیا۔

جدید و قدیم کا امتزاج

ندوۃ العلماء نے جدید دنیاوی علوم کو دینی تعلیم کے ساتھ مربوط کیا۔ اس ادارے کے نصاب میں جدید مضامین بھی شامل کیے گئے، جیسے فلسفہ، تاریخِ اقوام، اور عالمی سیاسیات۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرت نگاری اور تاریخ نگاری میں جدید اسلوب اپنایا۔ ان کی کتاب "سیرت النبی" اس امتزاج کی بہترین مثال ہے۔

عربی زبان کا فروغ

ندوۃ العلماء نے عربی زبان کو دینی علوم کا بنیادی ذریعہ بنایا اور اس میں ادبی مہارت کو لازمی قرار دیا۔ عربی کو محض رسمیات سے نکال کر ایک زندہ زبان کے طور پر پڑھایا گیا۔ ندوہ سے کئی معروف عربی ادیب پیدا ہوئے جن کی تحریریں مشرقِ وسطیٰ میں بھی شائع ہوئیں۔

بین الاقوامی روابط

ندوۃ العلماء نے اسلامی دنیا کے تعلیمی اداروں سے روابط قائم کیے، خصوصاً جامعہ ازہر (مصر) اور دیگر عرب جامعات سے۔ ان روابط نے ندوہ کی تعلیمی فکر کو عالمی سطح پر متعارف کرایا۔ ندوہ کے فضلاء آج بھی عرب دنیا میں علمی اور تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اثرات

ندوۃ العلماء نے تعلیم کو محض مذہبی فریضہ نہیں سمجھا بلکہ سماجی و فکری ترقی کا ذریعہ بنایا۔ اس ادارے نے ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جو عالم بھی تھا، مفکر بھی، اور قائد بھی۔ آج بھی ندوہ کی فکر اعتدال، وسعت نظری، اور علمی ہم آہنگی کی علامت ہے۔

برصغیر میں مسلم تعلیمی تحریکات کا اجتماعی اثر

مسلمانوں کی قومی شناخت، سیاست، اور تہذیب پر اثرات

برصغیر میں مسلم تعلیمی تحریکات صرف تعلیمی اداروں کے قیام تک محدود نہ رہیں بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے فکری، تہذیبی اور سیاسی شعور کو بھی گہرے اثرات سے ہمکنار کیا۔ ان تحریکات نے قومی شناخت کو اجاگر کیا، سیاسی قیادت کو پروان چڑھایا، اور ایک باوقار تہذیبی وجود کو تشکیل دیا۔

تعلیمی تحریکات کا پس منظر

ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمان شدید زوال کا شکار ہوئے۔ انگریزوں نے مسلمانوں کو اس بغاوت کا ذمہ دار سمجھا اور ان کے تعلیمی، سماجی، اور 1857 اقتصادی حقوق سلب کر لیے۔ اس پس منظر میں مختلف طبقات نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے مختلف نوعیت کی تحریکات شروع کیں۔

قومی شناخت کی تشکیل

سر سید احمد خان کی علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو بتایا کہ وہ ایک الگ قوم ہیں، جن کی تہذیب، تاریخ، اور اقدار ہندو اکثریت سے مختلف ہیں۔ اس تعلیمی تحریک نے نہ صرف ایک فکری انقلاب برپا کیا بلکہ مسلمانوں کی سیاسی علیحدگی کا مقدمہ بھی تیار کیا، جس کا اظہار آگے چل کر "دو قومی نظریہ" میں ہوا۔

سیاسی بیداری

علی گڑھ کالج کے فضلاء نے بعد ازاں سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔ محمد علی جناح، لیاقت علی خان، اور علامہ اقبال جیسے رہنما اسی فکری ماحول کے پروردہ تھے، جو علی گڑھ تحریک نے فراہم کیا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے علماء نے بھی جمعیت علماء ہند کے تحت قومی سیاست میں کردار ادا کیا، جبکہ ندوۃ العلماء کے فضلاء نے اعتدال پسند اور بین الاقوامی سوچ کو فروغ دیا۔

تہذیبی تحفظ

ان تعلیمی تحریکات نے مسلمانوں کی تہذیب، زبان (خصوصاً اردو)، روایات، اور اقدار کو تحفظ دیا۔ دارالعلوم دیوبند نے اسلامی عقائد و عبادات کو زندہ رکھا، ندوۃ العلماء نے اسلامی تہذیب کو عربی ادبیات کے ذریعے مستحکم کیا، اور علی گڑھ تحریک نے مسلمانوں کو مغربی تہذیب میں گم ہونے کی بجائے اپنی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کی راہ دکھائی۔

سماجی و لسانی اثرات

تعلیمی تحریکات نے اردو زبان کی ترویج اور فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ علی گڑھ، دیوبند، اور ندوہ نے اردو کو تعلیم کا ذریعہ بنایا اور اس کے ذریعے جدید اور قدیم علوم کی ترسیل ممکن بنائی۔ اردو صحافت، ادب، اور نصاب کی ترقی انہی تحریکات کا مرہونِ منت ہے۔

فکری تنوع

ان تحریکات نے برصغیر کے مسلمانوں میں فکری تنوع کو فروغ دیا۔ ایک طرف تقلید پر مبنی دیوبندیت تھی، دوسری طرف جدید فکر پر مبنی علی گڑھ تحریک، اور تیسری طرف ندوہ کی معتدل سوچ۔ اس تنوع نے مسلمان معاشرے کو مختلف فکری زاویوں سے ترقی کی راہ دکھائی اور باہمی مکالمے کی فضا پیدا کی۔

نتیجہ

برصغیر کی مسلم تعلیمی تحریکات محض تعلیمی ادارے نہ تھے بلکہ فکری، تہذیبی اور سیاسی تبدیلی کی تحریکیں تھیں۔ ان تحریکات نے مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ تعلیم ہی وہ قوت ہے جو انہیں دنیا میں عزت و وقار کی جگہ دلا سکتی ہے۔ انہوں نے ایک ایسی نسل تیار کی جو علم، شعور، قیادت، اور تہذیب کے میدان میں نمایاں ہوئی۔ یہی تحریکات بعد ازاں تحریک پاکستان کی فکری و نظریاتی بنیاد بنیں۔

خلاصہ

برصغیر کی مسلم تعلیمی تحریکات نے مسلمانوں کو ایک نئے شعور سے روشناس کرایا۔ جہاں شاہ ولی اللہ نے فکری بیداری کی بنیاد رکھی، وہیں سر سید احمد خان نے جدید تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے عملی ادارے قائم کیے۔ دارالعلوم دیوبند نے مذہبی تشخص کو سنوارنے پر زور دیا، جبکہ ندوۃ العلماء نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ ان تمام تحریکات نے مسلمانوں کو تعلیمی، فکری، اور تہذیبی طور پر مستحکم بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ یہ تحریکات نہ صرف تعلیمی ترقی کا ذریعہ بنیں بلکہ مسلمانوں کے سیاسی و تہذیبی تشخص کی بقا میں بھی اہم ثابت ہوئیں۔

حوالہ جات

- عبدالحفیظ، برصغیر میں تعلیمی تحریکات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2001
- ڈاکٹر خدیجہ بانو، مسلمان اور جدید تعلیم، کراچی: جامعہ کراچی، 1995
- عتیق الرحمن، فکرِ سرسید کا تجزیہ، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1990
- ڈاکٹر رشید احمد، تاریخ دارالعلوم دیوبند، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، 1987
- احمد حسین، ندوۃ العلماء کا تعلیمی کردار، لکھنؤ: مدرسہ تعلیمات، 2000
- ڈاکٹر سلیم احمد، شاہ ولی اللہ کی تعلیمی خدمات، دہلی: مجلس ترقی ادب، 1982
- فہیمہ طاہر، علی گڑھ تحریک کی عصری معنویت، لاہور: فکشن ہاؤس، 2008
- نجمہ زہرہ، مسلمان خواتین کی تعلیم، راولپنڈی: خواتین کالج پریس، 1997
- کلیم اللہ فاروقی، تعلیم اور اسلامی تشخص، لاہور: مقتدرہ قومی زبان، 2010
- ڈاکٹر عبدالسلام، برصغیر کی علمی تحریکات، کراچی: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 2005
- محبوب عالم، سرسید اور ان کا عہد، علی گڑھ: اردو اکادمی، 1980
- ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب اور تعلیمی تحریکیں، لاہور: سنگ میل، 1992
- شوکت علی، تحریکِ علی گڑھ کا پس منظر، اسلام آباد: یونیورسٹی پبلیکیشنز، 1999
- پروفیسر جمال الدین، دیوبندیت اور جدید چیلنجز، لاہور: ادارہ فکر جدید، 2006
- نسیم انجم، نظامِ تعلیم: اسلامی تناظر، پشاور: اسلامی پبلیکیشنز، 1993
- ڈاکٹر عرفان صدیقی، مولانا شبلی کا تعلیمی فلسفہ، دہلی: ادارہ یادگار شبلی، 1990
- فرزانہ کوثر، مسلمانانِ ہند کا تعلیمی سفر، کراچی: اردو لٹریچر ہاؤس، 2011
- ضیاءالدین احمد، جامعات کا ارتقاء، لاہور: نالج بکس، 2002

- ڈاکٹر شاہد ندیم، تعلیم اور مسلم سماج، ملتان: علمی ادارہ، 2013
- عارف حسین، برصغیر کے مدارس اور جدیدیت، اسلام آباد: تعلیمی تحقیقی مرکز، 2007